ڈیرہ غازیخان کی مذہبی و معاشرتی زندگی میں صوفیا کرام کی تعلیمات کے اثرات

The effects of Sufi teachings in the religious and social life of Dera Ghazi Khan

*سہیل اختر

**لیمہ محمود

ABSTRACT:
Islam is the religion of peace and love for the humanity. It always ordered to his followers to treat other with kind and tolerance. The Holy prophet always proved himself the prophet of mercy as the Holy Quran Said, but we sent you as a mercy to the worlds.
Islam spread through politeness. In Subcontinent the advent of Islam is a great achievement of the noble saints and sufis. D-G Khan which was a purely Hindu area in the past and the several sufis came to this part of Punjab in the initial stage of Islam. They played glorious role in the advent of Islam in the region. Sufism is a deter-mine effort towards unity. His main purpose is to bring humanity close with one another, separated as it is into so many different units, closer together in the deeper understanding of life. The main task is to bring about brotherhood among races, nations and faiths and to respect one another's faith, scripture and teacher. Sufi is to confer Sympathy on these lives, to impart Love, Compassion and Kindhearted-ness on all creations .The Sufi message is the resonance of the same Divine message which has always come and will always come to inform humanity. This research paper highlights the services of sufis who influenced on socio religious life of the people of D-G Khan.
Keywords. Islam, Kindness, Sufism, Dera Ghazi khan.

* Lecturer in History, Ghazi University, Dera Ghazi Khan.
** Department of Islamic Studies, SBK Women University, Quetta.

تعارف:

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی فلاح، رہنمائی اور ہدایت کیلئے انبیاء اور رسل کا ایک طویل سلسلہ جاری رکھا اور کم و پیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور رسل اس دنیا میں لوگوں کی ہدایت کیلئے تشریف لائے۔ ظہور اسلام کے ساتھ سرزمین مکہ پر اللہ پاک نے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ساتھ ہی سلسلہائے نبوت اختتام پذیر ہوا۔ مگر رشد و ہدایت کی ذمہ داری اس امت کے کندھوں پر ڈال دی گئی اور واضح حکم دیا گیا کہ اللہ تعالی کے پیغام کو پہنچانا ہر اس شخص پر لازم ہے جس تک حکم پہنچا ہو۔ بلغوا عنی ولو آیۃ اور تم تک ایک بھی آیت پہنچی ہو تو اس کو آگے پہنچاؤ۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد ہوا جس کا قرآن میں حکم یوں ہوا: اَلیومَ اَکملتُ لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا[1]۔ آج کے دن تمہارے لئے اپنا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تم سب کیلئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ اسی طرح ایک اور جگہ حکم ہوا۔ کنتم خیرا امۃ للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر[2]: تم بہترین امت ہو اور تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

برصغیر پاک وہند میں اشاعت اسلام کا سہرا بزرگان دین کے سر رہا ہے۔ شمالی ہندوستان خصوصاً پنجاب کا علاقہ ان صوفیا کرام کا مرکز رہا۔ بزرگان دین کی مساعی جمیلہ کے طفیل اس خطے میں نہ صرف اسلام کی شمع روشن ہوئی بلکہ اس علاقے کے لوگوں کی معاشرتی اور اخلاقی تربیت کی تکمیل بھی انہیں بزرگان کے ذریعے ممکن ہوئی۔ ان بزرگان نے اس خطے میں نہ صرف اسلام کی تبلیغ میں کلیدی کردار ادا کیا بلکہ ان کے حسن سلوک اور اسلام کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کے باعث یہاں کے مقامی معاشرے میں ان کی بات نہایت ادب اور توجہ کے ساتھ سنی گئی۔ ان صوفیاء کی مساعی جمیلہ کی بدولت اس خطے میں نہ صرف اسلام کی شمع روشن ہوئی بلکہ ہزاروں افراد مشرف بااسلام ہوئے۔ ان

صوفیاء کی طرز زندگی اور اخلاق و اوصاف نے لوگوں کی کیا پلٹ دی۔ان صوفیائے کرام میں سید سلطان احمد المعروف پیر عادل، سید احمد سلطان المعروف سخی سرور، خواجہ محمد سلیمان تونسوی المعروف پیر پٹھان، خواجہ غلام فرید آف کوٹ مٹھن، سید صدرالدین مشہدی اور پیر ملا قائد شاہ کے نام نمایاں ہیں۔ ان صوفیاء نے اپنے اخلاق اور کردار سے دلوں کو تسخیر کیا اور اسلام کی آبیاری میں کلیدی کردار ادا کیا[3]۔ یہ اکابر صوفیا اپنے زہد اور تقویٰ، اعمال صالحہ اور تبلیغی کاموں کی وجہ سے بے حد ممتاز ہیں ان کی مخلصانہ کوششوں کی بدولت ڈیرہ غازیخان کے معاشرے سے ہندوں کا فکری جمود نہ صرف ٹوٹ گیا بلکہ بیشمار جاہلانہ رسومات، ضعیف الاعتقادی، اوہام پرستی، ذات پات کا نظام، اور کفر و شرک کی جو گھٹائیں صدیوں سے یہاں پھیلی و چھائی ہوئی تھیں وہ چھٹ گئیں۔ شرف انسانیت اور تعظیم تکریم کا آفتاب طلوع ہوا۔ توحید کا علم بلند ہوا اور یہ وجہ ہے کہ ان کی طرف سے امن و آشتی اور مساوات کی تلقین کر کے اسلام کا حقیقی عکس معاشرے میں پھیلایا جس میں انسانیت کی تکریم اولین ترجیح تھی۔ انہوں نے بغیر کسی رنگ و نسل اور عقیدے کے امتیاز کے رواداری، اخوت، معاشرتی انصاف، حسن سلوک کا درس دیا۔ اسی لیے آج تک ان صوفیائے کرام کی درگاہیں ہر خاص و عام اور ہر مذہب و ملت کے ماننے والوں کیلئے مرجع عام ہیں بقول اقبالؒ؛ نگاہ ولی میں جو تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی[4]۔ اگر ہم برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کو دیکھتے ہیں تو دوسرے علاقوں کی طرح سرزمین ڈیرہ غازیخان میں صوفیائے کرام کی ایک کثیر تعداد آئی اور تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کی۔ اس مقالہ میں کچھ اہم بزرگان اور انکی خدمات کا جائزہ حسب ذیل ہے۔

سید سلطان احمد پیر عادِل:

ڈیرہ غازیخان شہر سے تقریباً نو کلو میٹر کے فاصلے پر شمال میں ایک نہایت اہم اور قدیمی بزرگ کا مزار ہے۔ یہ بزرگ پیر عادل کے نام سے مشہور ہے۔ بزرگ کا اصلی نام سید سلطان احمد

ہے۔[5] اس بزرگ کی آمد اس علاقے میں غزنوی دور میں ہوئی اور یہ کہا جاتا ہے کہ آپ بغداد سے 1040ء میں تشریف لائے[6] اور آکر اس علاقے میں اسلام کی شمع کو روشن کیا۔ انکی تبلیغی خدمات سے متعلق مشہور ہے کے وہ داتا صاحب کے ہمعصر تھے اور یہاں انہوں نے جہاد بھی کیا۔ ان کے بارے کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک بیٹا سید علی تھا اس نے ایک چرواہے کو بے گناہ قتل کر دیا۔ اس کے قتل پر مقتول کی والدہ آپ کے پاس فریادی ہوئی اور اپنے بیٹے کے قصاص کا مطالبہ کیا تو سید سلطان احمد نے اپنے بیٹے کو قصاص میں چرواہے کی ماں کے سپرد کر دیا۔ جس کو بڑھیا کے وارثان نے قتل کر دیا، اس واقعہ سے وہ پیر عادل مشہور ہوئے۔ ان کے اس مثالی عدل وانصاف سے لوگ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور زیادہ تر معتقد ہوئے اور خطے میں اسلام تیزی سے پھیلا۔ اپنے بیٹے کی وفات کے بعد وہ چھبس برس زندہ رہے اور 465ھ/1072 میں وفات پائی۔[7]

عوام میں مشہور ہے کہ انہوں نے کفار سے زبردست جنگ کی اور ان کے سپہ سالار کی خانقاہ قصبہ لاڈن کے قریب جھنڈا پیر کے نام سے موسوم ہے کیونکہ لشکر جھنڈا ان کے ہاتھوں میں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے قرامطہ کے خلاف جنگ میں عملی حصہ لیا۔ اس دور میں ملتان کا علاقہ قرامطہ کے قبضے میں تھا اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے قرامطہ کے خلاف جنگ میں عملی حصہ لیا اس دور میں ملتان کا علاقہ قرامطہ کا کے قبضہ میں تھا۔ محمد غوری نے 571ھ/1175 میں ملتان پر قبضہ کیا اور قرامطہ کو شکست دی۔[8]

آپ جب اس خطے میں آئے تو ایک جگہ جھنڈا لگا کر بیٹھ گئے اور تبلیغ شروع کر دی، اس جگہ کی مٹی کو جانوروں کی بیماری میں باعث شفا سمجھا جاتا ہے۔ جانوروں میں جب منہ کھر کی بیماری پھیلتی ہے تو مقامی لوگ اپنے مویشی جھنڈا پیر کے قبرستان میں لے جاتے ہیں۔ اس قبرستان اور ملحقہ کھیتوں کی زمین نہایت شوریدہ اور کلرا ٹھی ہے۔ یہ مویشیوں کی بیماری میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہے

عوام کا اعتقاد ہے کہ یہ شفا اس بزرگ کی دعا سے ہے۔ میرانی دور حکومت میں 1556ء میں نواب غازی خان میرانی جو پیر عادل کا مرید تھا اس نے ایک لاکھ روپے کے خرچ سے خانقاہ تیار کرائی۔ خانقاہ پیر عادلؒ پر ماہ چیت میں سالانہ بڑا میلہ ہوا کرتا ہے پورے پاکستان لوگ یہاں آتے ہیں۔[9]

سلطان سخی سرورؒ :

سخی سرورؒ ابن زین العابدین ابن سید عمر ابن سید عبدالطیف ابن اسحاق ابن سید اسمٰعیل ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین ابن علی کرم اللہ وجہہ سے جا کر ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام زین العابدین اور والدہ کا نام عائشہ بی بی تھا۔ آپ کا دربار عین دامن پہاڑ پر واقع ہے[10]۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بغداد سے یہاں تشریف لائے۔ ان کی نسبی معرفت سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ہے۔ 620ھ تک بغداد میں رہے۔ بعدازاں ان کا والد زین العابدینؒ مع دو بیٹے سخی سرورؒ دوسرا داؤد پنجاب کی طرف تشریف لائے۔ شروع میں انہوں نے وزیر آباد کے قریب رہائش اختیار کی اور پھر بعد میں وہاں سے سیالکوٹ جا کر آباد ہو گئے۔ زین العابدینؒ نے یہیں وفات پائی اور انکا مقبرہ اُسی جگہ سیالکوٹ میں موجود ہے۔ سید احمد سلطان المعروف سخی سرورؒ نے ملتان کے صوبہ دار گہنوں خان افغان کی بیٹی سے شادی کی اُسے ایک بیٹا ہوا، جس کا نام میاں رعنا مشہور ہے۔ سخی سرورؒ بذات خود اہل فقر تھے۔ وہاں سے دل برداشتہ ہو کر بخیال اطاعت الٰہی واسطے چلہ کاٹنے اِس طرف پہاڑ میں آئے جو اسی جگہ بحالت چلہ کاٹنے کے وفات پائی اور داؤد برادر و میاں رعنا فرزند سخی سرورؒ بطرف بغداد وطن مالوفہ خود روانہ ہوئے کہ میاں داؤد نے غزنی میں وفات پائی، مقبرہ اُس جگہ موجود ہے اور میاں رعنا بغداد میں دفن ہیں۔ جب سخی سرورؒ اس پہاڑ پر چلہ کاٹتے تھے کچھ آبادی نہ تھی، ظاہر کہ سخی سرورؒ اہل فقر اور صاف باطن تھے، براہ خدا انہوں نے بہت محنت اٹھائی جو کہ ان شُہرہ آفاق ہونے کا سبب ہے[11]۔ ایک دن اُن کے دروازے پر تین بیمار شخص

ایک مجذوم یعنی کھوڑا، دوسرا نابینا، تیسرا عنین یعنی نامرد سائل شفایابی کیلئے آئے۔ حق تعالیٰ نے اُنکو شفابخشی سب درست ہوگئے وہ تینوں مجاوری اختیار کر کے اُس جگہ سکونت پذیر ہوئے۔ چناچہ اُن تینوں کی اولاد اُن تینوں کے نام سے مشہور ہے۔ جو اولاد کھوڑی سے پیدا ہوئے وہ کھلنگ مجاور کہلائے، جو نابینا سے ہے وہ مجاور کا ہے اور نامرد کی اولاد شیخ مشہور ہے اور اب باندازہ 1650 مجاور خانقاہ سخی سرورؒ پر رہتے ہیں اور اس زمانہ سے آباد ہوتے ہُوئے اب قصبہ بن گیا ہے، یہ قصبہ بھی سخی سرور کے نام سے مشہور ہوا ہے[12]۔ پہلے زمانے میں سخی سرورؒ کی قبر سادہ خاک کی تھی۔ پیچھے کے زمانہ میں دیوان لکھپت رائے اور ہنپت رائے سکنہ ہندوستان، نے پختہ مکان بنایا اور قدیم الایام ہر سرکار مع مجاور لوگوں کو معاشی مدد کے واسطے کچھ نقدی اور محصول زمینات تمام موضع کا معاف کرتا تھا چنانچہ اب تک اسی طرح معافی بحال ہے۔ اس موقع پر چاہ کوئی نہیں تھا بس رود کوہی کا پانی ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ مال اور انسان واسطے پانی بڑی مشکل سے حاصل ہوتا تھا اگر بارش ہوگئی تو بارش کا پانی پیا ورنہ اندازاً دو دو تین تین کوس دور جا کر زمین کھودتے، بارش کے اُسی پانی سے لوگ گزارہ کرتے ہیں۔ اکثر مجاور وغیرہ مشکیزے میں پانی بھر کر فروخت کر کے پیسہ کماتے ہیں۔ اِس خانقاہ کے بہت سے لوگ معتقد ہیں اور چیت کے مہینے میں اکثر زائرین پنجاب سے آتے ہیں جن میں ہندوٗ، مسلمان بڑے اعتقاد اور صدق سے آکر زیارت کر کے دعا مانگتے ہیں[13]۔ ایک روز پہلے سنگرند بیساکھی سے تا بیساکھی یعنی 3 یوم میلہ سخی سرورؒ بڑی ہجوم سے ہوتا ہے۔ اکثر لوگ واسطے ادائے اِس شرط کے آتے ہیں ایسے لوگ عموماً عیال اطفال خود ساتھ لاتے ہیں۔ دعا طلب بامید حصول کسی مراد آئندہ کے آتے ہیں۔ اعتقاد لوگوں کا اس حد تک ہے کہ ہندو لوگ جو ایک بوند پانی مسلمان کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتے ہیں تو اُس جگہ مجاوروں کے گھر سے برتن لے کر اس میں پانی پیتے ہیں، البتہ یہی پانی کی قلت کا باعث بھی ہے۔ اب سرکار سے منظوری لے کر بمقام احداثی چاہ سخی سرور ایک کنواں

کھودا گیا ہے، پہلے بھی ایک کنواں کھودا گیا تھا جہاں سے دو سو ہاتھ عمق کے پانی نکلتا تھا لیکن کسی سبب پیچھے کنواں مدفون ہو گیا تھا مجاوران نے بھی کچھ پرواہ نہ کی، اب بھی کچھ مجاور کنواں کھودنے سے خوش نہیں ہیں لیکن عام لوگ سرکار عالی کو دعادیں گے، اور میلے کی رونق بھی زیادہ ہو گی۔[14]

حضرت خواجہ سلیمانؒ تونسوی :

حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ تونسوی 1183 ہجری بمطابق 1769ء کوہستان گڑ گوچی میں خواجہ محمد زکریا کے گھر پیدا ہوئے آپکی والدہ کا محترمہ کا اسم گرامی بی بی زلیخا تھا۔ بچپن میں آپ کو پیار سے مانہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بعد میں آپ عموماً پیر پٹھان کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ خواجہ زکریا کا تعلق مشہور قبیلہ جعفر سے تھا[15]۔ بچپن میں ہی اوالد کی وفات پر آپ بچپن میں یتیم ہو گئے اور والدہ کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کیلئے وہ تونسہ آ گئے۔ تونسہ میں انہوں نے میاں حسن علی کے حلقہ درس میں شمولیت اختیار کی، پھر وہاں سے بستی لانگہ میں میاں ولی محمد آرائیں کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ کوٹ مٹھن میں مدرستہ العلوم تھا، جس کے صدر مدارس قاضی احمد علی صاحب تھے، ان سے عربی کی تعلیم حاصل کی، پھر خواجہ نور محمد مہاوری کے مرید ہوئے، تونسہ میں رہائش اختیار کر کے لوگوں کو روحانی فیض پہنچاتے رہے[16] آپ کو جس قدر آمدنی ہوتی اسے خیرات کر دیتے۔ 1267ھ میں اسی برس کی عمر میں انتقال فرمایا اور تونسہ میں دفن ہوئے۔ جسے انہوں نے 1209ھ سے اپنا مدفن بنالیا تھا۔ ان کے فرزند خواجہ گل محمد نے ان کی حیات میں وفات پائی لہذا آپ کے بعد ان کے پوتے خواجہ اللہ بخش سجادہ نشین بنے[17]۔ نواب بہاول پور ان کے مرید تھے جس نے 1855ء میں پچاسی ہزار روپے کے خرچ سے آپ کا روضہ تعمیر کرایا۔ غلام مصطفٰے خان خاکوانی ملتانی نے دس ہزار روپے کے خرچ سے خانقاہ کے ملحقہ مجلس تعمیر خانہ تعمیر کرایا۔ جبکہ احمد خان افغان نے کنواں تیار کرایا[18]۔ حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کی

خانقاہ کی عمارت نہایت عمدہ وصاف ہے۔مزار شریف پر روزمرہ مخلوق مریدین کی آمدورفت سے رونق رہتی ہے آپ کا سالانہ عرس 7 صفر کو منایا جاتا ہے جو تین دن جاری رہتا ہے۔ آپ خلیفہ خاندان چشتیہ کے ہیں نیز میاں عاقل محمد وتاج محمود کہ جن کی خانقاہ کوٹ مٹھن میں اور میاں نور محمد جن کی خانقاہ حاجی پور میں ہے،ایک ہی دربار مہاروی سے فیض یافتہ ہیں اوراکثر پٹھان اقوام سدوزئی و پوپلزی وغیرہ علاقہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ان کے مرید ہیں۔خانقاہ کے مدرسہ میں درس کا اعلیٰ انتظام ہے۔اس مدرسہ میں اعلیٰ درجہ کی لائبریری موجود ہے۔جس میں نہایت قیمتی کتب موجود ہیں۔وہاں قرآن مجید کا ایک نسخہ موجود ہے،جو سونے کے تاروں سے لکھا گیا ہے[19]۔ خواجہ محمد سلیمانؒ اپنے وقت کی ایک ولی کامل شخصیت ہیں،انکی مذہبی خدمات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

خواجہ غلام فریدؒ :

خواجہ غلام فرید کا تعلق جدی پر صوفی گھرانے سے تھا حسب و نسب کے اعتبار سے فاروقی تھے آپ خواجہ خدابخش کے فرزند ارجمند اور خواجہ فخر الدین کے چھوٹے بھائی تھے۔آپ کے والد ماجد ایک بزرگ کامل اور علماء متبحرین میں سے تھے۔آپ 1261ھ میں چاچڑاں میں پیدا ہوئے، تاریخی نام خورشید عالم رکھا گیا[20]۔ابھی آپ کی عمر چار سال تھی کہ آپ کے والد محترم وفات پاگئے آپؒ کی تعلیم و تربیت کا ذمہ آپ کے بھائی نے لے لیا۔آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ نواب محمد صادق خان والی ریاست بہاولپور کی سفارش پر شاہی محل میں آپؒ کی پرورش ہوتی رہی۔ اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ پر تیرہ سال کی عمر میں بیعت کی اور سولہ سال کی عمر میں علوم ظاہری اور باطنی پر کمال حاصل کرلیا۔بڑے بھائی کی وفات کے بعد آپ ستائیس برس کی عمر میں سجادہ نشین مقرر ہوئے[21]۔خواجہ صاحب باشریعت صوفی تھے اور ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے۔ نہایت سخی دل تھے ان کو دولت جمع کرنے کی بجائے اسے خرچ کرنے کی فکر لاحق رہتی تھی۔

ہندوستان کی سیاحت کے بعد آپ نے اٹھارہ سال بہاولپور کے ریگستان روہی میں عبادت اور ریاضت کی۔آپ نے 1895ھ میں ایک سو سے زائد عقیدت مندوں کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا اور تمام اخراجات بھی خود برداشت کیے وطن واپس آکر درس وتدریس میں مشغول رہے۔آخر 24جولائی 1901ء بمطابق 6ربیع الاول 1319ہجری میں اس دارِفانی سے کوچ کیا[22]۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ کا روضہ کوٹ مٹھن میں واقع ہے۔آپ کا مدرسہ علوم دینی کا مرکز بن گیا۔آپ کا سلسلہ چشتیہ تھا مگر آپ چاروں سلاسل کے مجاز رہے۔آپ نے اعمال وافعال کو شریعت کے تابع کر دیا۔شریعت کو اطاعت کا جزو لازم سمجھتے تھے ان کے مریدوں کی تعداد صرف سرائیکی بولنے والے علاقے میں ہی لاکھوں سے تجاوز کر چکی ۔ویسے ان کے عقیدت مند سارے پاکستان اور ہند میں موجود ہیں۔آپ سرائیکی زبان کے اعلی پایہ کے شاعر تھے جس میں انہوں نے عشق حقیقی و مجازی اور فطرت کی نقاشی ایسے طریقہ پر کی ہے جو صرف ان کا حق ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں عشق مجازی کے کئی حقیقی واقعات کو بیان فرمایا۔خواجہ صاحب کا دیوان سرائیکی زبان کا لازوال شاہکار ہے۔[23]

عشق رسول ﷺ جذبہ وحدت الوجد اور عشق ومحبت آپؒ کی شاعری کے موضوع تھے۔ آپ نے نظریہ وحدت الوجود کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے۔اس سلسلے میں آپ کی دو کتابیں فصوص الحکم اور فتوحات المکیہ بہت مشہور ہوئیں۔آپ کے بزرگ خواجہ فخر اور نور محمد مہاروی بھی اسی نظریے کے قائل تھے اور آپؒ نے خود بھی اس نظریے کی ترجمانی کی ہے۔فنافی الشیخ کے مرحلے میں آپؒ کے مرشد خواجہ فخر جہاں تھے چشماں فخرِ جہاں مٹھل دیاں تن من کیتا چُور (اپنے مرشد خواجہ فخر جہاں کیلئے جسم وجان بھی قربان ہے) گھول گھتاں میں فخر جہاں توں جنت، حُور، قصور (اور میں اپنے مرشد خواجہ فخر جہاں پر سب کچھ جنت اور حوروں کو بھی قربان کر دوں)[24]

فنافی الرسول ﷺ میں آپؒ حد سے بڑھ کر ڈوبے ہوے تھے۔ حضور ﷺ کے ساتھ

آپؒ کا پیار قابل دید ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ :اِتھاں میں مٹھڑی جند جان بہ لب اُوتاں خوش وسدا وِچ ملکِ عرب۔ توڑے دھکڑے دھوڑے کھاندڑی ہاں تیڈے ناں توں مفت وِکاندڑی ہاں۔تیڈے باندڑیاں دی میں باندڑی ہاں ھِم دردے کتیاں نال ادب۔[25] (میری بدبخت جان بہت مجبور ہے میری زندگی لبوں پر آئی ہوئی ہے اور محمد ﷺ ملک عرب میں خوشیوں میں آباد ہے۔ میں دھکے اور ٹھوکریں کھا کر بھی آپ ﷺ کے نام پر مفت بکنے کو تیار ہوں۔ میں تو آپکے نوکروں کا بھی نوکر ہوں مجھے تو محبوب ﷺ کے گھر کے کتے کا بھی ادب واحترام ہے)۔

شاہ صدر دینؒ :

صدر دین شاہ بزرگ سادات مشہدیؒ نے اِس موضع کو آباد کیا۔اس سبب سے اِس کا نام صدر دین ہے۔چونکہ زمین زیر جنگل تھی،اس واسطے اُس کو جھاڑی سادات بھی کہتے ہیں[26]۔اُسی روز سے اس موضع اور زمینداری پر اولاد سید مذکور کی متقابض اور بہادر شاہ سید نمبر دار مقرر رہے۔آپ کا روضہ ڈیرہ غازی خان سے انیس میل جانب شمال شاہراہ تونسہ پر واقع ہے۔آپ جدی صوفی ہونے کے ساتھ صوفیائے کرام کے عظیم جد حضرت بہاء الدین زکریا ملتان کے مرید اور ان کے خاندان سے تھے۔آاپ نے شاہ صدر دین کو جب مرکز بنایا تو اس علاقے میں عام جہلانہ رسومات کا دور دورہ تھا آپ نے لوگوں کو راہ ہدایت دکھائی اور ساتھ ہی تزکیہ نفس اور تقویٰ کی مجسم تصویر پیش کی۔آپ اپنی زندگی میں کسی عورت کو بیعت نہیں کرتے تھے بلکہ وصال کے بعد بھی آپکے مزار پر عورتوں کا داخلہ ممنوع تھا۔سلانہ میلہ اور مزار پر عرس ماہ چیت کے پہلے سوموار کو لگتا ہے۔اُن کا موجودہ روضہ ایک ہندو مرید نے بنوایا تھا جس نے اولاد کی منت مانی تھی[27] ۔اولاد ہونے پر اس نے اس کی تعمیر کی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کے یہ صوفیا طبقاتی اور نسلی و مذہبی تقسیم سے بے نیاز انسانیت کے غیر متنازعہ رہبر تھے جن کا کام انسانیت کے دکھوں کا مداوا تھا۔

حضرت ملاء قائدؒ :

حضرت پیر سید ملا قائد شاہؒ کا مزار شہر ڈیرہ غازیخان کے بلاک چورہٹہ میں غازی خان میرانی سوم کے مقبرے کا سامنے مشرقی سمت میں واقع ہے [28] آپ غازی خان چہارم کے زمانے میں تشریفؒ لائے۔اس کا مزار غازی خان کے مقبرے کے ساتھ ہے۔ملاء قائد بہت بڑے عالم دین تھے شاہ جہاں کے دور حکومت میں وہ اکثر اوقات مسلک اہلسنت دفاع کرتے رہے ملا قائد شاہ نے اپنی ساری زندگی دین اسلام کی سربلندی میں گذاری اور کبھی حالات سے نہ گھبرائے۔ڈیرہ غازی خان کی معاشرتی زندگی پر انکی تعلیمات کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔وہ حق اور سچ پر کٹ مرنے کو تیار رہتے تھے۔اور وہ قولوا قولاً کے مصداق ڈٹ جانے والے تھے۔ایک بار وہ شاہجہان کے دربار میں پہنچے اور شکایت کہ ڈیرہ غازی خان میں گل نسیم شاہ نامی سندھ سے آیا ہوا ہے غازی خان اُس کا مرید بن چکا ہے اور وہ صحابہ کرام کے خلاف بات کرتا ہے۔اس شکایت پر شاہ جہاں نے گل نسیم شاہ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے تو دہلی سے کوتوال وارنٹ گرفتاری لے کر ڈیرہ غازی خان پہنچا اور اس نے غازی خان کو وبتایا کہ ملاء قائد کی درخواست پر گرفتار کیا جارہا ہے [29]۔غازی خان نے گل نسیم شاہ کے ساتھ بطور گواہ علماء روانہ کر دیئے اور اُن علما کو بڑی رقم کی لالچ دی گئی جب گل نسیم شاہ اور علماء دہلی پہنچے تو وہ وفد ڈیرہ غازی خان مہمان خانہ رہائش پذیر ہوا جب ملا قائد کو پتہ چلا کہ علماء گل نسیم شاہ کے حق میں بطور گواہ پیش ہوں گے تو ملا قائد مسلسل نوافل میں ساری رات بیٹھا رہا اور اللہ سے دُعا کی کہ میں آپ کے اصحاب کی ناموس کیلیئے کوشش کر رہا ہوں میری مدد فرما،دوران نوافل رات کو تھوڑی نیند آگئی تو دیکھا کہ دربار لگا ہوا ہے نسیم گل شاہ منظر سے ختم ہو جاتا ہے دوبارہ ملا قائد نوافل شروع کر دیتا ہے دوسری مرتبہ یہی منظر پیش ہوا پھر تیسری مرتبہ بھی،تب ملاء قائد اپنی رہنمائی سمجھی جب صبح دربار لگا تو علماء بطور گواہ پیش ہوئے۔شاہ جہان نے ملا قائد سے کہا کہ علماء تو گل نسیم شاہ کے حق میں

گواہ ہیں آپ کیا کہتے ہیں تو ملاء قائد نے کہا کہ جاندار چیز خصوصاً انسان کبھی بھی بک سکت،اسے ایمان بیچ سکتا ہے مگر بے جان چیز نہیں بدل سکتی تو ملاء قائد نے کہا کہ گل نسیم شاہ کے جوتے اُتارے جائیں۔ چوپ داروں نے جوتے اُتارے ملاء قائد نے کہا کہ جوتوں کی چتی اُکھاڑی جائے چوپدار نے چتی اُکھاڑی تو اصحابہ ثلاثہ کے نام اندر چتی کے لکھے ہوئے ملے تو شاہ جہاں نے فوراً گردن مارنے کا حکم دریا مگر ملاء قائد کی درخواست پر کہ گردن ڈیرہ غازی خان میں ماری جائے تب بادشاہ نے بمعہ جلاد اور فورس ڈیرہ غازی خان روانہ کر دی کہ ڈیرہ غازی خان میں نسیم گل شاہ کی گردن ماری جائے جب غازی خان کو پتہ چلا تو اُس نے بڑی منت سماجت کی کہ ملاء قائد گل نسیم شاہ کو معاف کر دے اور شاہ جہاں سے حکم نامہ واپس کروائے مگر ملاء قائد نے یہ بات نہ مانی اور نسیم گل کی چوراہے پر گردن ماردی گئی۔ غازیخان نے اس کو اپنی اناء کے خلاف سمجھا اور ان کو اپنی فکر لگی کہ ملاء قائد کہیں اُس کیلئے مصیبت نہ بن جائے تب غازی خان چہارم نے سازش کر کے ملا قائد کو زہر دے دی[30] اگر ہم ملا قائد شاہ کی شخصیت کی بات کریں تو وہ عملاً ایک نیک انسان اور صاحب شریعت تھے،ڈیرہ غازیخان کے معاشرے سے جہاں کفر و شرک کا خاتمہ کرنا جہاں اولین ترجیح تھی وہیں انہوں نے مسلمانوں میں موجود خرافات اور غیر اسلامی روایات کے خاتمے اور انکی معاشرتی اصلاح بھی کی اور یہاں امن کا پیغام دیا۔ ان کے مزار پر پانی کا ایک نلکا لگا ہوا ہے اور مشہور ہے کہ وہاں جا کر نہانے سے خارش اور الرجی سے شفا ملتی ہے۔[31]

سید عبداللہ شاہؒ سمینہ:

سید عبداللہؒ کا شمار ڈیرہ غازیخان کے اکابر صوفیا میں ہوتا ہے۔ آپ کا مزار شہر ڈیرہ غازیخان سے دس کلو میٹر کے فاصلے پر مشرق میں قصبہ سمینہ میں واقع ہے[32]۔ جب ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا اور غارت گری کی تو وہ سید محمد غوث گیلانی کا گھرانہ ہندوستان کی طرف ہجرت کر آیا۔ پہلے دہلی میں رہے مگر پھر دکن میں آباد ہوئے۔ انہوں نے اپنے زہد تقوی کی بدولت محمد غوث بندگی کے نام سے

شہرت حاصل کی۔ان کے ایک فرزند سید احمد شاہ اُچ میں مقیم ہوئے سید احمد شاہ کے فرزند لعل شاہ نے بغداد میں تعلیم حاصل کی اور عرب ممالک کی سیاحت بھی کی۔ وطن واپسی کے وقت ہڑند ڈیرہ غازی خان میں آئے اس زمانے میں ہڑند بڑامشہور تجارتی اور علاقے کا صدر مقام تھا۔ہڑند سے مغرب میں قصبہ میاں پناہ علی قریشی موجود ہے ۔وہاں اس زمانے میں سلطان طیب قریشی کے زہد وتقوی کی بڑی دھوم تھی ،انہوں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح لعل شاہ سے کر دیا جس سے عنایت شاہ پیدا ہوئے۔ لعل شاہ نے تبلیغ کے سلسلہ میں دکن کا سفر اختیار کیا۔وہاں کسی حاسد نے ان کو زہر دے کر ہلاک کر دیااور احمد آباد میں مدفون ہوئے۔ میاں سلطان طیب قریشی کے انتقال کے بعد عنایت شاہ کی پرورش اس کے ماموں نے کی،عنایت شاہ نے 17 رمضان 1190ھ میں وفات پائی۔ عنایت شاہ نے دو فرزند سید غلام محمد شاہ اور سید عبداللہ شاہ اپنی بارگاہ چھوڑے ۔سید غلام محمد شاہ کا مزار نوشہرہ نزد داجل ہے جبکہ حضرت سید عبداللہ شاہ کا مزار سمینہ میں ہے۔ سمینہ کا ایک رئیس آپ کو سمینہ لایااور یہاں آپ نے درس وتدریس اور تبلیغ کے لئے مسجد اور درسگاہ قائم کی ۔آپ صاحب کرامات بزرگ تھے "روایات پنجاب "مصنفہ میجر ٹمپل میں آپ کی کرامات کئی کہانیوں میں سے ایک میں ذکر ہے کہ کس طرح اپنی کرامات سے جام پور کے موچی کی بیوی کو قلات سے معجزانہ طور پر واپس لائے جسے خان قلات جام پور کی فتح کے بعد اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔آپ نے 1222ھ مطابق 1807ء میں وفات پائی۔ انکے مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے جو پنجاب ،سندھ اور بلوچستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔[33]

حضرت سید علی احمد گیلانیؒ:

سید علی احمد گیلانیؒ کیتھلی کا مزار ڈیرہ غازی خان شہر میں ہے۔ان کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آپ ہندوستان کے شہر کیتھل شریف سے تشریف لائے تھے[34]۔آپ کے جد امجد شاہ کمالؒ کا

مزار کیتھل شریف ہندوستان میں واقع ہے۔شاہ کمالؒ کی وفات 1891ء میں ہوئی۔سامراجی دور کے اختتام پر جب تقسیم ہند ہوئی اور پاکستان قائم ہوا تو اس وقت اس خاندان کے افراد میں میاں عبدالعلی گیلانیؒ کے خاندان نمایاں تھا۔جس میں میاں محمد حنیف گیلانیؒ اور میاں علی احمدؒ گیلانی اول ہجرت کر کے لاہور آکر مقیم ہوئے۔کچھ عرصہ بعد محمد حنیف گیلانی لاہور سے بستی قبولہ تحصیل پاک پتن ضلع ساہیوال منتقل ہوئے اور اسی بستی میں رہائش پذیر ہوئے جبکہ سید علی احمدؒ گیلانی پہلے لاہور سے ملتان آگئے اور پھر وہ ملتان سے 1950 ءمیں ڈیرہ غازی خان ہجرت کر آئے اور بلاک 35 میں آکر آباد ہو گئے اس وقت تک ان کے بیشتر مریدین بھی ہجرت کر کے ڈیرہ غازی خان آباد ہو چکے تھے۔[35] مزار کے ساتھ ایک شاندار مسجد بھی تعمیر کی گئی ہئے جہاں دینی تعلیم کا اعلیٰ نظام موجود ہے۔

حضرت امام الدین (المعروف جکھڑ امام شاہ):

ڈیرہ غازی خان کے صوفیا میں سے آستانہ عالیہ جکھڑ امام شریف بہت اہم ہے۔سید امام الدینؒ کا زمانہ 16 صدی شمار کیا جاتا ہے۔ان کا تعلق سلسلہ چشتیہ سے تھا اور یہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی اولا میں سے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ڈیرہ غازیخان کی تین اہم صوفیانہ گدیاں ہیں جن میں پہلی گدی سید امام الدینؒ کی ہے،دوسری گدی خواجہ محمد سلیمانؒ تونسوی کی اور تیسری سنجر پور کی ہے[36] سید امام الدینؒ جب بستی جکھڑ تشریف لائے اور جکھڑ خاندان کو مشرف بااسلام کیا تو اور جکھڑ خاندان نے ان کو کچھ زمین کا تحفہ بطور عقیدت دیا اور درخواست کی کہ اپنی رحمت و برکت سے ہمیں کچھ عطا فرمائیں جو ہمارے لیئے یادگار رہے،تو امام الدینؒ نے فرمایا میری اولاد سے تعلق قائم رکھنا فیض ملتا رہے گا اور بستی کا نام جکھڑ امام الدینؒ رکھ دیا جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جکھڑ امام شاہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے[37] سید امام الدینؒ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ان کے ہاتھوں ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے۔آپ کی ذات ایک کامل صاحب شریعت اور صاحب طریقت کا درجہ رکھتی ہے

مریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے اور یہ پورے پنجاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ان کا مزار آج بھی لوگوں کیلئے مرجع خلائق ہے، مدرسہ بھی قائم ہے [38] جہاں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے۔آنے والے زائرین کیلئے لنگر بطور خاص ہر وقت جاری رہتا ہے۔عام طور پر یہاں ہر وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔آپ کی اولاد میں سید حامد رضا شاہؒ نہایت ہی صاحب کرامات بزرگ تھے ان کے وصال کے بعد سید غلام عباس شاہؒ دربار آستانہ عالیہ جھکڑ امام شریف کے سجادہ نشین ہیں اور صاحب کرامات ہیں۔ نہایت خوش اخلاق اور ملنسار ہیں۔امام الدینؒ کا سالانہ عرس 22-23 ربیع الاول کو ہر سال ان کے مزار پر منعقد ہوتا ہے جہاں دور دراز سے لوگ فاتحہ کیلئے حاضری دیتے ہیں۔ سید غلام عباس شاہ صاحب سجادہ نشیں ایک صاحب شریعت بزرگ ہیں۔علاقے میں ان کا سیاسی اثر ورسوخ بھی ہے پورے علاقے خصوصاً ڈیرہ غازیخان شہر میں کئی دینی مدارس اور مساجد تعمیر کرائی ہیں۔

حاصل بحث۔

مندرجہ بالا صوفیائے کرام کے حالات زندگی سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ خطہ کسی زمانے میں کفر اور شرک کا مرکز تھا اور پھر وقفے سے یہاں بت گرانے کی کوشش کرتے ہوئے مختلف بزرگان دین اسلام کی سربلندی کا جھنڈا اٹھایا۔یہ علاقہ جہاں کفر شرک اور الحاد کا غلبہ تھا اور پھر آہستہ آہستہ اسلام کا گہوارہ بن گیا۔ان صوفیاء نے معاشرے کے اندر اسلام کی حقیقی تصویر پیش کی گئی۔یہ صوفیائے کرام نہ صرف صاحب طریقت تھے بلکہ صاحب شریعت بھی تھے اور انہوں نے اسلام کے بنیادی احکامات کو دین کا عملی مجسمہ قرار دیا۔اسلام کے بنیادی عقائد کے ساتھ اسلام کے بنیادی اراکین کی پاسداری کرنے کا درس دیا اور واضح کر دیا کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ہی شریعت ہے اور یہی دین و دنیا کی بھلائی کا حقیقی راستہ ہے۔اعمال صالحہ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی کے کئی پہلوؤں کی بھی اصلاح کی۔جس میں ایک پر امن معاشرے کے قیام کی راہ ہموار

کرنا، اخوت، مساوات اور باہمی رواداری کا درس صوفیا کی تعلیمات کا بنیادی محور تھیں۔ان پر خلوص مساعی جمیلہ کی بدولت ایک اسلامی فلاحی معاشرے کی کامیاب بنیادیں ہمیشہ کیلئے امر ہو گئیں اور اس کی کامرانی کا سہرا انہی صوفیا اور بزرگان کے سر ہے جو حقیقی معنوں میں اسلام کے مبلغ کے طور پر کام کرتے رہے ہیں اور وارث الانبیاء ٹھہرے۔

حوالہ جات

[1] المائدہ 3:5

[2] آل عمران 110:3

[3] احسان چنگوانی، تاریخ ڈیرہ غازیخان، اوتا پبلشر، ڈیرہ غازیخان، 2006ء، ص 41

[4] علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، علم و دانش پبلشر، لاہور، 2012ء، ص 91

[5] ڈسٹرکٹ گزٹیر 1883ء، ص 54

[6] ای ڈی میکلگن، پنجاب مذہبی فرقوں اور صوفی سلسلوں کا انسائیکلوپیڈیا، بک ہوم، لاہور، 2006ء، ص 228

[7] منشی حکم چند، تواریخ ضلع ڈیرہ غازیخان، انڈس پبلیکیشنز، 2005ء، ص 46

[8] احسان چنگوانی، تاریخ ڈیرہ غازیخان،، ص 63

[9] عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، سلمان اکیڈمی ڈیرہ غازیخان، 2007ء، ص 233

[10] منشی حکم چند، تواریخ ضلع ڈیرہ غازیخان، انڈس پبلیکیشنز، 2006ء، ص 43

[11] عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، ص 207

[12] ہتورام، گل بہار، ص 33

[13] منشی حکم چند، تواریخ ضلع ڈیرہ غازیخان، ص 44

[14] عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، ص 208

[15] منشی حکم چند، تواریخ ضلع ڈیرہ غازیخان، ص 49

[16] ہتورام، گل بہار، ص 46

[17]عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، ص206

[18]احسان چنگوانی، تاریخ ڈیرہ غازیخان،، ص1

[19]ہتورام، گل بہار، ص46

[20]عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، ص204

[21]ہتورام، گل بہار، ص56

[22]احسان چنگوانی، تاریخ ڈیرہ غازیخان، ص64

[23]عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، ص205

[24]ڈاکٹر مہر عبدالحق، پیام فرید، کافی22، ملتان، 2006ء، ص595

[25]ایضاً، ص584

[26]منشی حکم چند، تواریخ ضلع ڈیرہ غازیخان، ص54

[27]ہتورام، گل بہار، ص30

[28]یوسفی سلیمانی، فقیر حسن محمود، عبیر الحقیقت، سلیمانیہ اکیڈمی، ڈیرہ غازیخان، 2017ء، ص80

[29]عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، ص211

[30] احسان چنگوانی، تاریخ ڈیرہ غازیخان،، ص183

[31]عبدالقادر لغاری، تاریخ ڈیرہ غازی خان، ص211

[32]ایضاً، ص212

[33]احسان چنگوانی، تاریخ ڈیرہ غازیخان،، ص183

[34]یوسفی سلیمانی، فقیر حسن محمود، عبیر الحقیقت، ص84

[35]احسان چنگوانی، تاریخ ڈیرہ غازیخان،، ص182

[36]ایضاً، ص185

[37]منشی حکم چند، تواریخ ضلع ڈیرہ غازیخان،، ص49

[38]ہتورام، گل بہار، ص39